گئی.. وہ مشاہد کے آگے آگے چل رہی تھی اور اب وہ مُنہ پرے کیے بیٹھی تھی اور اپنے تلوے کو نوچتی تھی... ایک سیاہ ناگ کا پھیلا ہوا پھن تھا جو جھکا ہوا تھا... اور اُس سیاہ پھیلاؤ سے اس کی نظر نہ ہٹتی تھی... یہ ہوس کب ختم ہو گی... دس برس پیشتر وہ صرف دیکھنے پر اکتفا نہ کرتا، ہرگز نہ کرتا لیکن اب وہ صرف دیکھتا تھا تو یہ ہوس کب ختم ہو گی...

"شریف مالی سے کہو کہ گھاس میں سے کنکر چن دیا کرے —" وہ اُٹھی اور برآمدے کی جانب بڑھنے لگی جہاں وہ کھڑکی ابھی تک کھُلی تھی۔ سِل پر قدم رکھنے سے اُسے کچھ یاد آیا اور وہ مشاہد کے پاس لوٹ آئی — "مردان از ہیئر —"

"مردان؟" اس کے لہجے میں دسمبر کی دھوپ کی نرم گرماہٹ تھی جیسے وہ گلیشیر تھا اور اب اُس دھوپ کی گرمی سے پگھلتا تھا "وہ کب آیا؟"

"جب تم ہنٹ کے لیے نکلے ہو بس اُسی وقت.. ابھی تمہاری جیپ کے انجن کی آواز دُور ہو رہی تھی کہ وہ آ گیا —"

"کدھر ہے؟"

"اُدھر، جہاں وہ ہوتا ہے۔"

اُدھر سات کمروں والی کوٹھی کا وہ حصہ تھا جسے اور تو اور مالی بھی اس کوٹھی کا حصہ نہ سمجھتا تھا۔ درختوں کے جھُنڈ سے پرے شیشم کے دو تناور پیڑ تھے اور ان کے سائے میں چار دیواری کے ایک کونے میں صرف ایک دُور سے مسمار شدہ کمرہ تھا جو کبھی نوکروں کے کام آتا تھا، پھر کوٹھی کے دوسرے سرے پر نئے کوارٹر بن گئے اور یہ ایک کمرہ حاملہ بلیوں اور آوارہ کتوروں کی آماجگاہ بن گیا... نہ صرف یہ کہ اس کے ٹوٹے ہوئے بوسیدہ کواڑوں تک سرکنڈے پہنچتے تھے بلکہ اس کی چھت پر بھی گھنی گھاس تھی جو اب خشک ہو کر اینٹوں پر سے لٹکتی تھی... کمرے کا فرش کچا تھا اور بارشوں میں اس کی چھت سے وافر پانی نیچے آ اور اُن جنگلی بوٹوں کے لیے جو اس کے فرش میں سے پھوٹتے رہتے تھے مسرت کا باعث بنتا... مردان علی جب بھی نمودار ہوتا، یہیں ٹھہرتا۔

"تم اندر چلو — اور کچھ پہن لو، میں اُسے مل کر آتا ہوں —"

سیلن زدہ کچے فرش میں سے نکلتے بوٹوں اور گھاس کی باریک پتیوں کے اوپر وہ سمٹا ہو کر ایک بچے کی طرح سویا ہوا تھا۔ اُس کے سرہانے اُس کا چھوٹا سا رُک سیک تھا، شا

کا سامان، سلیپنگ بیگ، ایک شلوار قمیض، کورے کاغذ اور چند بال پوائنٹ اور ایک کیمرہ... اور رُک سیک کے برابر میں سیاہ ربڑ کے موٹے تلے والے سفری بوٹ تھے جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ تسموں سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔

"مردان" وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اُس نے جھک کر اُسکے کان میں کہا... اور وہ جیسے اِسی آواز کا منتظر تھا۔ اُس نے صرف ایک آنکھ کھولی اور مسکرا دیا۔ "ہیلو بھائی جان" اور اپنے دونوں بازو اُسکی جانب پھیلا دیئے... مشاہد اُس کے ساتھ لپٹ گیا اور وہ دونوں اُن دنوں کی طرح آرام سے پہلو بہ پہلو لیٹ گئے جب اُن کی ماں اُنہیں ایک ہی چارپائی پر سلا کر چلی جاتی تھی۔ مشاہد کبھی اُس سے الگ ہو کر اُسے جی بھر کے دیکھتا تھا اور پھر لیٹ جاتا تھا... اُس نے اپنے وقتوں میں بہت سارے لوگوں کے ساتھ مُحبت کے جذبات کا اقرار کیا تھا، ان میں مرد اور عورتیں سبھی شامل تھے بلکہ برگیتا بھی شامل تھی۔ برگیتا کے لیے وہ جو کچھ محسوس کرتا تھا اُسے وہ رُندھے ہوئے گلے کے بغیر لفظ نہیں دے پاتا تھا... شاید اُس نے برگیتا کے لیے وہ تمام شدتیں محسوس کیں جو اُس نے الگ الگ درجنوں خواتین کے لیے محسوس کیں اور پھر بھی زیادہ — برگیتا کے ساتھ اس کا لگاؤ نارمل ذہنی سطح پر نہ تھا، اس میں ابنارملٹی کا ایک واضح شائبہ تھا.. وہ اُسے بے قابو کر دیتی تھی لیکن اس کے باوجود اُس نے اپنی پوری زندگی میں کسی کو دیکھ کر پگھل جانے والا جذبہ صرف مردان کے لیے محسوس کیا تھا... ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی تک ایک ہی ناڑو سے بندھے ہوئے ہیں... اُسے دیکھ کر وہ برگیتا اور سات کمروں والی کوٹھی سے غافل ہو جاتا — اس کے باوجود کہ وہ کبھی کبھار اُسے پہچاننے سے انکاری ہو جاتا... مشاہد اُس کے کان میں اسی طرح سوئے ہوئے سرگوشی کرتا — مردان — اور وہ جاگ کر کہتا "تم کون ہو۔ دفع ہو جاؤ۔" اور مشاہد جان جاتا اور خاموشی سے اپنے آپ کو سنبھالتا آنکھیں نہ جھپکتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتا... اور پھر انتظار کرتا... اور کچھ دیر بعد وہ ایک مسرت سے سُرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا اور کہتا "بھائی جان —" وہ ابنارمل تو تھا لیکن اتنا نہیں جتنا کہ لوگ سمجھتے تھے۔

"مردان کیا تم حیران پریشان؟" مشاہد اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں بھائی جان —" اس نے اسی ردھم میں کہا "نہ صرف حیران پریشان بلکہ نگل بیابان۔"

"اور کدھر سے آئے ہو تم حیران پریشان؟ —"

مردان نے اپنے بڑے بھائی کی جانب دیکھا اور جواب نہیں دیا... اور اُس کے دیکھنے میں وہ شرارت اور شرمندگی تھی جو کبھی اُس کے بچپن میں اُسکی آنکھوں میں آتی تھی جب وہ گرمیوں کی دوپہروں میں آوارہ گردی کر کے واپس آتا اور اُس کے پیچھے پیچھے رسّی یا کسی چیتھڑے سے بندھا کوئی آوارہ کُتورا گھسٹتا چلا آتا تھا.... اور وہ کہتا۔

"بھائی جان یہ ڈبّو ہے —"

"اگر یہ ڈبّو ہے تو میں کیا کروں؟" مشاہد غصے میں آ جاتا۔

"بھائی جان یہ وہاں ایک نالی میں بیٹھا تھا اور مجھے ترس آ گیا۔ بھائی جان یہ وہاں ایک کتے کی زندگی بسر کر رہا تھا — کیا ہم اِسے ایک بہتر زندگی نہیں دے سکتے؟"...

مشاہد کا غصہ سرد ہو جاتا کہ اس بچے کے ذہن میں ایسی باتیں کہاں سے آ جا ہیں۔ وہ ڈبّو بھی رکھ لیا جاتا۔ اور جب گھر میں ہر طرف ڈبّو ہی ڈبّو ہو جاتے تو ایک روز ا کی ماں انہیں ایک مرتبہ پھر کتوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتی اور اُنہیں گھر سے نکا باہر کرتی.... ڈبّوؤں کو تبھی گھر سے خارج کیا جاتا جب دونوں بھائی کہیں گئے ہوتے اور ؟ واپسی پر وہ اُن کی جدائی میں ایک دوسرے سے لپٹ کر دیر تک روتے رہتے۔ آج ؟ اُس کی آنکھوں میں وہی شرارت اور شرمندگی تھی۔ وہ مشاہد سے چھ برس چھوٹا تھا لیکِ اس کے گھنے بالوں میں سیاہی اب کم کم دکھائی دیتی تھی اور اگر وہ دو چار روز شیو نہیں تھا تو اُس کی داڑھی یکسر سفید نظر آنے لگتی۔ ہاں اُس کے چہرے کی سادگی اور بھولپن زمانے نے متاثر نہیں کیا تھا اور مشاہد جب بھی اُس کی جانب دیکھتا اُسے سفید بال دکھائی دیتے صرف اس کا بچپن دکھائی دیتا —

"سکول میں دسمبر کی چھٹیاں تھیں بھائی جان —" وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اُسکی ب ہوئی داڑھی کی سفیدی میں سبز گھاس کے تنکے اٹکے ہوئے تھے۔ "میں نے سوچا آ اور بھابھی کو میری کرسمس کہا جائے.. میں نے آپ کے لیے کلفٹن سے ایک بُو کے خریدا لیکن وہ بہاولپور پہنچتے پہنچتے مرجھا گیا — آئی ایم سوری بھائی جان —"

"کوئی بات نہیں —" مشاہد نے ایک ایسا قہقہہ لگایا جس کے لیے صرف خو ضرورت ہوتی ہے "پھر کیا ہوا؟"

"پھر میں بہاولپور اُتر گیا اور وہاں سے منڈی یزمان اور پھر صحرا... دسمبر کی

خاموشی میں صحرا کی راتیں بھائی جان... اور دریائے گھاگھرا کی خشک گذرگاہ میں صحرا کی راتیں — اور پھر ایک رات مجھے خیال آیا کہ مجھے کرسمس سے پیشتر لاہور پہنچنا چاہیے.. لیکن میرا حساب غلط ہو گیا... میں پہلے نہیں پہنچ سکا... سوری بھائی جان۔"

"کوئی بات نہیں مردان —"

"اور بھائی جان صحرا واقعی جنگل بیابان اور میں وہاں حیران اور پریشان.. اور وہاں تو صرف اللہ نگہبان —"

مشاہد پھر دل کھول کر ہنسا اور اُس کی آواز درختوں کے جھنڈ سے پرے طویل کمرے کے اندر تک گئی جہاں برگیتا نے اُسے سنا اور وہ جانتی تھی کہ جو خوشی مردان اُس کے خاوند کو دیتا تھا وہ اُسکے نصیب میں نہ تھی.. لیکن وہ مردان سے جیلس نہیں تھی..

"میں یہاں دو بجے صبح پہنچا۔ دیوار پھلانگ کر اندر آیا آپ کے کمرے کا دروازہ کھول کر "میری کرسمس" کا نعرہ لگایا تو صرف بھابھی وہاں تھیں اور وہ بہت خوش ہوئیں.. لیکن بھائی جان آپ خوش نہیں — کیوں؟"

"تم نے کچھ کھایا بھی کہ نہیں —"

"میں نے یزمان منڈی سے مکّی کے مرونڈے خریدے تھے، نہایت خستہ اور تازہ دیسی گڑ کی مہک والے... آخری دو مرونڈے میں نے آپ کی آمد سے صرف ایک گھنٹہ پہلے کھائے تھے، بچائے آپ کے لیے تھے لیکن لاہور کا پانی لکڑ ہضم، پتھر ہضم اور مجھے پھر بھوک لگ گئی... بھائی جان آپ خوش نہیں، کیوں؟"

"اس لیے کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —"

"چار —" مردان نے گردن میں بل دے کر ایک حیران بچے کی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں — ایک شیولر — اور تین نیل سر۔"

اِس بار مردان دل کھول کر ہنسا اور اب اُس کی آواز جھنڈ سے پرے طویل کمرے کے اندر تک گئی جہاں برگیتا بستر پر اوندھی پڑی کان لگائے سنتی تھی... "بھائی جان وہ جو ایک نامعلوم لکیر ہے باریک سی تو اُس کے ایک جانب کل مخلوق ہے رَب کی اور دوسری جانب اور بہت، بہت دور نہیں بس لکیر کے ذرا اُدھر، ایک سنٹی میٹر اُدھر، اُدھر کچھ نم جیسے ہیں.. آپ تو لکیر کے اِدھر نہیں تھے بقیہ مخلوق کے ساتھ؟... اور آج کہہ رہے ہیں

کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں — کیا ہو گیا ہے بھائی جان؟"

"تمہارا خیال تھا کہ میں لکیر کے اِدھر ہوں.. میں تو ہمیشہ کا اُدھر ہوں، تمہارے ساتھ - میں رکھ رکھاؤ میں اُلجھا رہا- توقعات پر پورا اُترنے کی کوشش میں ایک ایسی زندگی تشکیل دی جو کوئی اور بسر کرتا رہا اور میں الگ تھلگ ہو کر ایک فاصلے سے اپنے آپ کو وہ زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ کون ہے جو میری زندگی بسر کر رہا ہے- میں بڑا بیٹا تھا اور مجھے ایک مثالی بیٹا بننا تھا، مجھے بہت سارے لوگوں کی توقعات پر پورا اُترنا تھا... صرف ماں باپ اور بہن بھائی نہیں بلکہ پوری برادری اور نسل انسانی کی توقعات پر پورا اُترنا تھا... یہ رول میرے لیے لکھا گیا تھا لیکن میں بُرا اداکار تھا، ہمیشہ اپنی لائنیں بھول جاتا اور اگر لائنیں ذہن پر زور دے کر یاد کر لیتا تو چہرے کا تاثر کچھ اور ہو جاتا.. خوشی کے مکالمے ادا کرتے ہوئے اکثر اوقات میرے چہرے پر موت کی زردی ہوتی. تم بہتر رہے... تمہارے لیے کوئی رول نہیں تھا، تم اِدر جنل ہو سکتے تھے... لیکن یہ طے - کہ میں بھی لکیر کے اُس پار ہوں تمہارے ساتھ... شاید تم سے بھی پرے، بہت پرے لیکن میں اپنے رول سے مکمل طور پر باہر نہیں آ سکتا —"

"اور وہ چار مرغابیوں والی کیا بات تھی؟"

"بس یہی کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —"

اور وہ دونوں ہنسے اور ہنستے گئے اور ہنس ہنس کر بے حال ہونے لگے... برگیتا کی ان کی ہنسی مدھم ہو کر پہنچتی گئی اور اسے یہ بُری لگی- وہ الگ الگ ہنس سکتے تھے اور اُ جیلس ہونے کا خیال تک نہ آتا... لیکن وہ اکٹھے کیوں ہنس رہے ہیں... یہ اُسے بُرا لگا-

"تمہاری ٹانگ کا کیا حال ہے مردان؟"

"یہ مجھے کہیں جانے سے نہیں روکتی —" مردان نے اپنی ٹانگ پر ہتھیلی پھیر اُسے تھپکا — "نہیں یہ مجھے کہیں بھی جانے سے نہیں روکتی... ہاں یہ تو ہوتا رہتا ہے جب ہوا میں یخ بڑھتی ہے تو یہ ذرا تکلیف دیتی ہے- سردیوں کا موسم ڈھکے چھپے پوشیدہ زخموں کے لیے اچھا نہیں ہوتا.. اور دسمبر کا مہینہ یوں بھی مجھ پر بھاری گزرتا آپ جانتے ہیں —"

"ہاں میں جانتا ہوں —"

"جانتے ہیں تو شی شی..." مردان نے شرارت سے مسکرا کر لبوں پر اُنگلی رکھ دا

"شی شی چُپ رہیئے.. کسی کو بتانا نہیں۔"

"میں حلف اُٹھاتا ہوں کہ میں ہمیشہ چُپ رہوں گا اور چُپ رہنے کے سوا اور کچھ نہیں کروں گا کہ اسی میں میری عافیت ہے —" مشاہد نے ہتھیلی پھیلا کر ہاتھ اٹھا دیا "میں حلف اُٹھاتا ہوں۔"

"بھائی جان —" یہ مردان کی آواز تھی، لیکن کہیں دور سے آتی تھی۔ مشاہد نے سر جھٹک کر کسی خدشے کے خوف سے چونک کر اُس کی جانب دیکھا — "بھائی جان — پلیز میری مدد کیجئے۔" مردان کا سانس بھاری ہو رہا تھا اور وہ بمشکل بولتا تھا "پلیز... آپ جانتے ہیں کہ..." مشاہد نے پہلے اُسے دونوں بازوؤں میں تھاما اور پھر اپنے ساتھ لگا لیا... "مردان.... تم پرواہ نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں... یہ دسمبر بھی گذر جائے گا، میں وعدہ کرتا ہوں..."

مردان بہت مدھم آواز میں بول رہا تھا جیسے ہچکیاں لے رہا ہو اور اُس کا بدن اُس کچے فرش والے کمرے کی یخ ٹھنڈک میں ہولے ہولے کانپتا تھا اور مشاہد اُس کے بدن کو تھپکتا تھا جیسے اُسے سلانے کی کوشش میں ہو اور اُس کی آواز مدھم ہوتی چلی جاتی تھی.... ور پھر یکدم اُس نے اپنے آپ کو مشاہد کے بازوؤں سے الگ کیا، تھوڑی دیر سر جھکائے شرمندہ سا بیٹھا رہا اور پھر آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگا "بھائی جان.. ہاؤ سٹیوپڈ آف می.."

"نہیں نہیں —" مشاہد نے زور زور سے سر ہلایا "نہیں مردان.."

"اور بھائی جان —" مردان کی آواز اور چہرہ کچھ دیر پہلے کی کیفیت میں لوٹ آئے "شہر میونخ میں آج کرسمس ہے —"

"شہر میونخ میں — شہر لاہور میں بھی آج کرسمس ہے مائی ڈیئر مردان —"

"نہ نہ..." مردان اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی پھیکی پھٹکی نیلی جین پر سے گھاس کے تنکے جھاڑنے لگا — "شہر میونخ میں آج کرسمس ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ اور بھابھی ہر کرسمس کو برائے ہلکی پھلکی چہل قدمی اور تفریح دریائے راوی کی طرف کوچ کرتے ہیں تو بسم اللہ کوچ کیجئے ہم یہاں بقدرے ظرف مزید استراحت فرماتے ہیں —"

"تم بھی ساتھ چلو گے —"

"نہیں بھائی جان —"

"تم چلو گے —"

"بھابھی، شہر میونخ میں آج کرسمس ہے —" مردان نے مُنہ پر ہاتھ رکھ شرلاٹے بھرتی ہوئی ولیز جیپ میں چہرے پر سرد تھپیڑے ہوا میں اور نہر کے کنارے د میں کہا۔

برگیتا سفید کشمیری شال میں اپنے آپ کو سنبھالتی تھی کہ وہ بلاؤز اور نیلی جین تھی اور یہ زمانے ایسے تھے کہ ان میں شال ضروری تھی اور شال کے نیچے جو کچھ بھی ہو ضروری تھا۔ وہ اپنے دیور کی بات سن کر مسکرائی لیکن ذرا سی اُلجھ گئی کہ صرف شہر میں ہی آج کیوں کرسمس ہے۔ مشاہد زبان سے داڑھ کے خلاء کو محسوس کر رہا تھا اور لا کی اُس ہوا کو اپنے بدن میں اُتارتا تھا جس کے لیے اُس نے بہت شہر اور بہت چھوڑے تھے۔

"سنیں بھابھی، صرف آپ کے کانوں کے لیے —" مردان پھر زور سے "سنیں —

— آج کرسمس ہے
شہر میونخ میں آج کرسمس ہے۔
فاصلوں کی کمند سے آزاد
میرا دل ہے کہ شہر میونخ ہے۔
چار سُو، جس طرف کوئی دیکھے
برف گرتی ہے، ساز بجتے ہیں۔"

"یقیناً مجید امجد —" مشاہد نے سر ہلایا۔

"اور کون بھائی جان اور کون — فاصلوں کی کمند سے آزاد اور میرا دل ہے کہ میونخ ہے —"

"تم شبِ رفتہ سے نکل نہیں پائے۔"

"شبِ رفتہ سے... اور شبِ رفتہ کے بعد سے... میں نکل کر جانا نہیں چاہتا — فاصلوں کی کمند سے آزاد بھائی جان — جنگل بیابان اور حیران پریشان بھائی جان —"

دونوں ہنسنے لگے، ایسے کہ اور کوئی نہ ہو، جیپ ساکن ہو، ہوا بند ہو، اور کوئی نہ ہو — وہ دونوں ہنسنے لگے اور برگیتا کو برا لگا اور اُسی لمحے اُن دونوں کو بھی احساس ہوا کہ ایک تیسرا بھی ہے۔ "بھابھی یوٹے بورگ میں بھی کرسمس کے روز برف گرتی تھی —؟"

"ہاں —" برگیتا نے صرف یہی کہا۔

جیپ ایچی سن کالج کے پُل پر سے مال روڈ پر آ گئی اور سُستی سے بمشکل اور رُک رُک کر حرکت کرتے ہوئے ٹریفک کے اژدھے کا ایک حصہ بن گئی۔ پیپل اور جامن کے بزرگ درختوں میں سے دھوپ کے جزیرے اور چھاؤں کی خلیجیں نیچے آتی تھیں اور رینگتی ہوئی کاروں کی چھتوں پر بچھنے کی کوشش میں گرتی جاتی تھیں۔ بائیں ہاتھ پرل کانٹی نینٹل کی ستھری اور دیدہ زیب عمارت تھی۔ مردان نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اُسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا — یہیں... آج سے کتنے برس پیشتر؟... ہاں یہیں... نہیں وہ اُس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹریفک اگرچہ سُست تھی لیکن وہ ابھی یہیں تھے اور ابھی اُن کے بائیں جانب باغِ جناح کے جھنڈ اور سبز علاقے تھے جن پر ہلکی سی دسمبر کی سفیدی ٹھہری ہوئی تھی۔ آج یہاں بہت لوگ تھے۔ اُس سے آگے چڑیا گھر کے بڑے دروازے کے آس پاس سستے اور بھڑکیلے لباسوں میں، غبارے ہاتھ میں، تیز میک اپ جو سیاہ چہروں پر چمکتا تھا۔ ہائی ہیلز میں ٹھپ ٹھپ چلتی ایسی عورتیں جنہیں سیدھا ہو کر چلنے کی عادت نہیں ہو رہی تھی۔ آج اُن کی بھی ہیپی کرسمس تھی۔

"نہیں میری کرسمس ٹُو یو —"

"سیم ٹُو یُو نیں —"

برگیتا نے مشاہد کی جانب دیکھا۔ وہ سامنے چیئرنگ کراس کے چوک کی طرف دیکھتا یپ چلا رہا تھا — کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں؟ برگیتا نے سیاہ فام منحنی بچوں کے ایک لروہ کو دیکھا جو آئس کریم کے ایک ٹھیلے کے آس پاس کھڑے تھے.... وہ بہت زیادہ اف نہیں تھے لیکن اُن سب کے کپڑے نئے تھے اور بے حد شوخ تھے، ان کی بھی رسمس تھی... کیا میں واقعی ان لوگوں میں سے ہوں؟

ریگل چوک کے قریب ٹریفک بالکل جام ہو چکی تھی۔ صرف موٹر سائیکل سوار اور سائیکلوں والے اس ہجوم میں سے زگ زیگ چکر کاٹتے کسی نہ کسی طرح نکلتے جا رہے تھے۔ لوگ باگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا مسلسل ہارن بجا رہے تھے۔

مشاہد نے دائیں طرف دیکھا نہیں صرف ایک روبوٹ کی طرح چہرہ اُدھر کو جھٹک کر کہا "مردان لکشمی مینشن ــــ"

"ہاں بھائی جان ــــ" مردان کی آواز ٹریفک کے شور پر تھوڑی دیر کے لیے حاوی ہوئی۔

لکشمی مینشن یا موجودہ احمد مینشن جس کا چہرہ مال روڈ پر کھلتا تھا ڈنگا سنگھ بلڈنگ کے بعد اس علاقے کے قدیم کولونیل فن تعمیر کی نمائندہ عمارت تھی۔ اس کے دائیں جانب بیڈن روڈ تھی اور بائیں جانب ہال روڈ اس کے تین منزلہ فلیٹ ایریا کے پہلو میں بچھی ہوئی تھی۔ مشاہد اور مردان کے لیے یہ عمارت ان کا بچپن تھی ــــ بیڈن روڈ کے ساتھ لگتا ہوا حصّہ تو کافی عرصہ پیشتر مسمار کر کے وہاں ایک ماڈرن جیولری مارکیٹ کے علاوہ ملک شیک اور ڈرائی فروٹ کی دوکانیں تعمیر کر دی گئی تھیں۔ جیولری مارکیٹ میں ڈبّی بازار اور سوہا بازار کے نیم خواندہ لیکن شدید دولت مند سُنار شفٹ کر گئے اور بقیہ دوکانیں اُن ریڑھی والوں نے خرید لیں جو اس سے پیشتر بیڈن روڈ کے فٹ پاتھوں پر کاروبار کرتے تھے۔ اب کچھ عرصہ سے احمد مینشن کا چہرہ ڈیپ فریزر بنانے والی ایک فرم کے جہازی سائز بورڈ تلے اوجھل ہو گیا تھا۔ بورڈ پر ڈیپ فریزر کے ساتھ کولہوں پر ہاتھ رکھے ایک نخریلی خاتون دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شہر کا سب سے بڑا سائن بورڈ ہے اور یہ لکشمی مینشن کی خوش بختی ہے کہ اسے یہاں آویزاں کیا گیا ہے.... یہ وہ لوگ تھے جو بورڈ کے پیچھے نہیں دیکھ سکتے تھے... بورڈ کے پیچھے نامعلوم اور چُپ چاپ طریقے سے ایسے کہ دھول کا ایک ذرّہ بھی فضا میں بلند نہ ہو اس تاریخی عمارت کو مسمار کیا جا رہا تھا... تاکہ یہاں بھی ایک پلازا تعمیر کیا جا سکے... اس سے پیشتر جب اس عمارت کو گرانے کی کوشش کی گئی تو مینشن کے مکینوں نے اور اہل لاہور نے شدید احتجاج کیا۔ چنانچہ بُل ڈوزر واپس چلے گئے۔ اب شہر کے سب سے بڑے سائن بورڈ کو وہاں آویزاں کر دیا گیا تھا... دھول کا ایک ذرّہ بھی فضا میں بلند نہ ہوتا تھا۔

"بھائی جان..." مردان آگے ہو کر بولا — "کیا ہے جو ممکنات میں نہیں ہے... تھمے ہوئے وقت کے جزیرے بھی تو ممکن ہیں، جیسے مینشن کے کلاک ٹاور کا ساکت گھڑیال... تھمے ہوئے وقت میں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم دائیں جانب ہال روڈ پر اتر کر مینشن کے اندر چلے جائیں اور وہاں — وہی دنیا ہو — منٹو صاحب کھڑکھڑاتے کھڑے پاجامے اور کرتے میں تانگے سے اُتر رہے ہوں اور اوئے مشاہد کے بچے آج بھی اگر تم نے میرے فلیٹ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا ہے تو میں تمہیں پکڑ کر صفیہ کے حوالے کر دوں گا — مولانا اپنا سولا ہیٹ اور گروچو مارکس مونچھیں سنبھالتے انصاری ہوٹل سے نکل رہے ہیں... اشفاق صاحب جی ایم اثر کو ملنے کے لیے آ رہے ہیں اور اثر صاحب... اور رتی پے ماسٹر یاد ہے بھائی جان؟... اور سمیعہ..."

ٹریفک یکدم رواں ہو گئی اور وہ ریگل چوک سے آگے نکل گئے۔

"یہ سمیعہ کون تھی؟" برگیتا نے مشاہد سے نہیں پیچھے مڑ کر مردان سے پوچھا۔

"تھی —" مشاہد نے کہا۔

جی پی او کے چوک میں ٹریفک کا اژدھام تھا لیکن حرکت میں تھا۔

"اور یہی ہے وہ شہرہ آفاق پوسٹ آفس جہاں راجندر سنگھ بیدی ڈاک کے لفافوں پر مہریں لگایا کرتا تھا —" مردان آج کسی ڈالروں پر کمینگی کی نظر رکھنے والے نورسٹ گائڈ کی طرح چہک رہا تھا — "اور اس سے پیشتر خواتین و حضرات ہم ریگل چوک سے ذرا پہلے پینوراما سنٹر کی عمارت کے سامنے سے گذرے تھے جہاں ایک زمانے میں روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کا دفتر واقع تھا اور بس اسی دفتر میں "جنگل بک" اور "کِم" والا رڈیارڈ کپلنگ کام کیا کرتا تھا جو کوئی بھی کہانی تحریر کرنے سے پیشتر پہلے صفحے پر اُسکا نام لکھتا تھا پھر "رِڈن بائی رڈیارڈ کپلنگ" تحریر کرتا تھا اور اس کے نیچے سواستیکا کا نشان بناتا تھا — ہمیشہ — جیسے جان ماسٹرز، جی ہاں وہی بھوانی جنکشن اور ایواگارڈنر والا جان ماسٹرز کہانی کے پہلے صفحے پر پنجاب کے پانچ دریا اور سورج اور دو برفپوش چوٹیاں بناتا تھا — جی ہاں ہمیشہ... اسی کو تو اپڈیو سنکریسیز کہتے ہیں... ابھی ہم عجائب گھر کے سامنے رکھی بھنگیوں کی توپ کو دیکھیں گے... اور یہ وہ والے بھنگی نہیں ہیں جنہیں آپ نے ابھی اس چڑیا گھر کے آس پاس "میری کرسمس رنیں" کہتے ہوئے سنا ہے —"

برگیتا کے چہرے کا رنگ بدلا لیکن اُس نے مڑ کر مردان کی طرف نہیں دیکھا اور

اِس کے باوجود مردان کو احساس ہو گیا — "سوری بھابھی آئی ڈِڈ ناٹ مین اِٹ..."

برگیتا نے مسکراتے ہوئے لب سکیڑے "پلیز کانٹی نیو مسٹر مردان — تمہیں بڑا ٹپ ملے گا —"

مشاہد نے سب کچھ جان لیا اور خاموشی سے جیپ چلاتا رہا۔

شرمندگی اور خجالت کے ساتھ اس نے پھر اپنا بیان شروع کیا لیکن اب اُس شوخی اور زور نہ تھا صرف مجبوری تھی — "تو اسی توپ کے اوپر کپلنگ کا کِم بیٹھا تھا... اور کپلنگ نے بادشاہی مسجد کے میناروں پر بیٹھ کر قدیم لاہور کے چھجے اور چوبار اور مینارے دیکھے اور شاعری کی — بس آج کا کنڈ کٹڈ ٹور ختم —"

"براوو" برگیتا نے خوش دلی سے تالی بجائی — "اور اگر تم بھنگیوں کی توپ بھنگیوں کی توپ کہتے ہو تو اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ بھنگی وہ والے نہیں میری کرسمس والے بلکہ سکھوں کا ایک ٹرائب ہے —"

"سوری بھابھی —" مشاہد ایک کچھوے کی طرح گردن نیچی کر کے نشست میں دھنس جانا چاہتا تھا —

"تم گورنمنٹ کالج کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے مردان —" مشاہد نے گردن کو بل دے کر مردان سے پوچھا۔

"نہیں —" اس کا جواب آیا۔

"اور گڈ اولڈ مسلم ماڈل ہائی سکول — ہمارا الماما تر۔"

"نہیں —" اُس نے پھر کہا "اب میں نہیں بولوں گا۔ بلکہ داتا صاحب کے پہلو میں سے گذرتے ہوئے بھی چپ رہوں گا —"

"اور اِس زرد سہ منزلہ پرانے مکان کے بارے میں —" دھوپ میں سرکلر روڈ کے فٹ پاتھ پر پرانے کپڑوں، بوٹوں اور اونی دستانوں کی مارکیٹ پھیلی ہوئی تھی اور مکان لکڑیوں کے ایک ٹال کے سامنے بے وقعت اور معمولی سا دکھائی دے رہا تھا۔

"نہیں — میں کچھ نہیں کہوں گا —"

"کس کا مکان تھا؟" برگیتا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مکان کے برابر میں عیسائیوں کا ایک وسیع قبرستان چلا جا رہا تھا۔

"عبدالرحمن چغتائی کا —" مشاہد نے کہا۔ "بے حد الگ تھلگ رہنے

آرٹسٹ۔"

"یا شاید بے حد الگ تھلگ رکھا جانے والا آرٹسٹ..." مردان اپنی شرمندگی بھول کر نارمل ہو رہا تھا اور دسمبر کی دھوپ میں دور ہوتے زرد مکان کو مڑ مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا "شنید ہے کہ انہیں جان بوجھ کر لوگوں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا — کہانیاں ہیں اس کے بارے میں —"

"برگیتا — ذرا غور سے سننا — تمہارے کچھ سوالوں کے جواب اس میں ہیں —" مشاہد نے سٹیئرنگ سے ایک ہاتھ اُٹھا کر اُس کی ران کو تھپکا۔ "بہت سے ادیب تھے جنہوں نے لاہور کے لوگوں اور روایات کے بارے میں لکھا، اِن میں مولوی محمد سعید بھی تھے.. اور ذرا سنو وہ اپنی کتاب کے انتساب میں کہتے ہیں، یہ کتنا بڑا اعزاز اور سرخوشی تھی لاہور میں اُن زمانوں میں قیام کرنا جب ملک کا سب سے بڑا خطیب، عطا اللہ شاہ بخاری، مشرق کا سب سے بڑا شاعر، اقبال اور دنیا کا سب سے بڑا پہلوان، گاماں وہاں رہتے تھے..."

"کسی بھی بستی سے اُلفت رکھنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہوتی —" برگیتا بولی "تم نے لاہور کے لیے بہت سی بستیوں کو چھوڑا... تم کہیں اور آباد نہیں ہوئے اور ہو سکتے تھے کہیں بہتر طور پر..."

"میں نے شاید کچھ لوگوں کو بھی چھوڑا — لاہور کے لیے —"

"ہاں —" برگیتا قہقہہ مار کر ہنس دی اور اُسکے اس قہقہے نے دو موٹر سائیکل سواروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ فٹ پاتھ سے ٹکراتے ٹکراتے بچے کیونکہ دسمبر کی دھوپ میں برگیتا کی سیاہ جلد ایک گرمی پہ آئے ہوئے جانور کی طرح مہکتی تھی اور لشکتی تھی۔ "ہاں.. میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تمہاری تاریخ تو میری پیدائش سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔"

فصیل جو کب کی ڈھے چکی تھی، باغ جو کب کے اُجڑ چکے تھے اُن کے اندر تخت لہور تھا اور اس کی ٹمٹیوں اور چوباروں پر جھکے آسمان میں خوش رنگ پتنگیں اور گڈیاں ہولے ہولے اوپر اٹھتی تھیں، پتنگیں کندھے مارتے ہوئے اور گڈے گڈیاں شرلاٹے بھرتے ہوئے... جو کٹ چکی تھیں وہ ہلکورے لیتے ہوئے قوموں کے تنزل کے گراف کی طرح نیچے ہی نیچے جا رہی تھیں اور اِسی آسمان میں کبوتروں کی ٹکڑیاں مستی میں ہوا کو کاٹتی گرتی تھیں اور سنبھل کر اوپر اُٹھنے لگتی تھیں۔ لاہور کے دل والے سرخوشی میں شور

کرتے تھے جو فضا میں مسلسل بلند ہوتا تھا اور پھر کبوتروں کی ٹکڑیوں کے ساتھ گرتا تھ
آج سرکاری سطح پر چھٹی تھی... حضرت عیسیٰ کی نہیں قائداعظم... کی سالگرہ کی خ
میں۔

برگیتا نے پیچھے مڑ کر مردان کو دیکھا جو لاہور شہر کے آسمان کو تکے جا رہا تھا۔

"مردان... میں تمہاری کومنٹری کو انجائے کر رہی تھی.. پلیز پھر سے شروع کر دو
پلیز —"

"ہاں ڈرائیور کو جگانے کے لیے باتیں کرتے جائیے —" مشاہد مسکرایا۔

"جناب ہم بہت غلط جگہ پر اپنی کومنٹری کا آغاز کرنے لگے ہیں۔ یہ دائیں جا
لاہور کی ممنوعہ گلیاں ہیں... جسے عرف عام میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے مجھ ایسا شریف شخ
زبان پر نہیں لا سکتا لیکن نقل کفر والی بات ہے ان گلیوں کو ساجن کی گلیاں کہہ لیجئے
ہیرامنڈی کہہ لیجئے —"

"اور مشاہد مجھے یہاں لے کر نہیں آیا۔ میں نے اسے اتنا کہا لیکن یہ کہتا ہے کہ
گلیاں شریفوں کے لیے نہیں ہے حالانکہ میں تو شریف نہیں ہوں، مشرق کے کسی
معیار سے شریف نہیں ہوں بلکہ..." برگیتا نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر ہچکی بھری۔

"تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں —"

"مردان میں تمہارے ساتھ کسی روز آؤں گی... تم کتنے روز کے لیے آئے ہو
"چند روز کے لیے —"

"تو پھر میری تمہاری ڈیٹ ہے، ڈانسنگ گرلز آف لاہور کے ساتھ ایک ڈیٹ
پان اور موتیے کے ہاروں کے ساتھ مکمل ڈیٹ — یہ وعدہ ہے؟"

"ہاں بھابھی — اور... بادشاہی مسجد تو آپ ہر دو چار ماہ کے بعد دیکھ لیتی ہیں
بھی آپ کا کوئی دوست سویڈن سے آتا ہے تو فہرست وہی ہوتی ہے شالامار، جہانگیر کا مقب
بادشاہی مسجد.. اور شاہی قلعہ —"

"لیکن یہ فہرست بدل دی گئی ہے۔ آئندہ سے بادشاہی مسجد کے بعد دی ڈانسنگ
گرلز..."

اُن کی جیپ بوڑھے راوی کے پاس آ چکی تھی... راوی جو ادھر تھا سوکھ چکا تھ
اب وہاں ایک پُل تھا جس کے نیچے سے کچھ بھی نہ بہتا تھا.. بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ

دیواروں سے لگ کر بہنے والا راوی اب ان سے دور چلا گیا تھا۔

"اور تاریخ آپ کے سامنے ہے بلکہ آپ کے دائیں ہاتھ پر ہے مینار پاکستان کی صورت میں۔ ایسے ایسے باکمال دانشور اور فلسفی اس مینار کی تعمیر میں ملوث ہوئے کہ کیا عرض کروں اور انہوں نے اسے بہت عرصہ تک یادگار پاکستان کا نام دیئے رکھا، دانشور اور فلسفی جو تھے پھر... بھائی جان جیپ روک دیں... پلیز۔"

مشاہد نے بریک پر پاؤں رکھتے ہوئے مینار پاکستان کی طرف دیکھا اور مردان کی جانب دیکھے بغیر وہ جان گیا کہ اُس کا رنگ نچڑ چکا ہے اور اُس کا بدن ویسے ہی کانپ رہا ہے جیسے آج سات کمروں والی کوٹھی کے غیر آباد کچے فرش والے کمرے میں کانپتا تھا... "تم کچھ پیو گے؟"

"نہیں ـــ"

"کیا بات ہے مردان ـــ" برگیتا فکرمندی سے اٹھی اور جیپ سے اُتر کر اُس کے قریب ہو گئی "تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہاں بھابھی ـــ پلیز فکر نہ کریں..."

وہ سامنے تاریخ کا کراس روڈ ہے... کدھر جانا ہے... اِدھر ہم اُدھر تم ـــ"

فاصلوں کی کمند سے آزاد ـــ

پلیز بھائی جان، اُس نے منّت کی تھی۔

اور مشاہد نے کہا تھا، دیکھو مردان تم ایک آرمی آفیسر ہو اور تمہارے چہرے مُہرے سے اور چال ڈھال سے جیسے تم کھٹ کھٹ چلتے ہو دور سے پتہ چلتا ہے کہ تم سویلین نہیں ہو... ایک پولیٹیکل ریلی میں تمہارا کیا کام؟

جانے دیں بھائی جان یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ تو ملکی معاملات میں دلچسپی لے سکتے ہیں لیکن میں صرف وردی میں ہونے کی وجہ سے آنکھیں بند کر کے کھڑا رہوں... اگر میں نے ملک کا دفاع کرنا ہے تو مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اس ملک میں کیا ہو رہا ہے ـــ پلیز بھائی جان ـــ

ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی لابی میں گہما گہمی کے ساتھ سراسیمگی بھی تھی۔ کچھ تھا جو نما میں تھا۔ چہرے جو وہاں تھے کچھ چوکنے تھے جیسے ہر آہٹ پر کان رکھتے ہوں۔ چھت

تک پہنچتی فرنچ ونڈوز کے بھاری پردے پھندنوں والی ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے ا
دھوپ ان میزوں پر ٹھہری ہوئی تھی جہاں لوگ چائے کی چسکی لیتے ہوئے پیالی کی جا
نہیں اُن دو لفٹوں کی جانب دیکھتے تھے جو مسلسل اوپر نیچے آ جا رہی تھیں۔ وہ دونوں
ایک سیٹی میں بیٹھ گئے... کافی بار بریزری کو جانے والے برآمدے میں کچھ لوگ بے
سے ٹہلتے تھے۔ شاید حفیظ پیرزادہ، شاید شیرپاؤ... شاید... وہاں اُن میں سے بیشتر تھے جنہ
نے کوریڈورز آف پاور میں قدم رکھا... منسٹرز، گورنرز... ایڈوائزرز... اینڈ وہاٹ ناٹ
لیکن ابھی وہ منتظر تھے کیونکہ آج فیصلہ ہونا تھا... اُس نے ان دو لفٹوں میں سے کسی ایک
نیچے آنا تھا۔ وقت ہو چکا تھا.. ورکرز خبر دے رہے تھے کہ مینارِ پاکستان کے آس پاس اَ
ریکارڈ کراؤڈ جمع ہو چکا ہے اور نعرے لگا لگا کر ان کے گلے رندھ چکے ہیں۔ فی الحال انٹر
نیشنل کے کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے یہ لوگ اپنی گھڑیاں دیکھتے تھے اور بے تابی سے
پھونکتے تھے... وہ اوپر کیا کر رہا ہے؟... اُنہیں یہ پرواہ نہیں تھی کہ لوگ سن رہے ہیں او
ایک دوسرے کے قریب سے گذرتے ہوئے بلند اور ایکسائیٹڈ آواز میں کومنٹس دے ر
تھے... وہ دیر صرف اس لیے کر رہا ہے کہ وہ لوگوں کے نروز کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے...

پھر ایک لفٹ نیچے آئی۔ مشاہد اور مردان کے عین سامنے.. اُس کے پٹ س
ہوئے اور ایک لمحے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو جھجکا... کھلے عوامی سوٹ میں، کف
ہوئے، اُس کی آنکھیں شاید بے خوابی کے باعث سُرخ تھیں اور وہ کچھ چبا رہا تھا۔ اُس
بالکل سامنے دیکھا اور باہر آ گیا۔ مصطفیٰ کھر اور دوسرے لوگ جھکے سروں کے ساتھ
سے باہر آئے.. لابی اور برآمدے میں ٹہلتے لوگ ایک میگنٹ کی جانب بے اختیار کھنچے
آئے.. میگنٹ اُن سے بے پرواہ ایک ڈیشنگ پرنس کی طرح ہاتھ ہلاتا صدر دروازے
طرف چلنے لگا اور یہی وہ لمحہ تھا جب مردان نے مشاہد کا ہاتھ پکڑ کر اُسے تقریباً گھسیٹ
بھٹو کے عین پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا۔ صدر دروازے پر خاصی دیر سے منتظر ایک کا
دروازے اتنی تیزی سے کھلے جیسے ہوا کے زور سے کھل گئے ہوں۔ بھٹو کار میں بیٹھنے
سفید شٹل کاک برقعے میں ملبوس ایک عورت جانے کہاں سے اُس کے سامنے آ گئی۔
ہاتھ میں ایک عرضی تھی اور وہ بلند آواز میں منت سماجت کر رہی تھی۔ مردان اُس
خاصا نزدیک تھا۔ وہ عورت آہ و زاری کر رہی تھی اور میرے صاحب میرے صاحب
رہی تھی۔ لیکن یہ وقت ایک منت سماجت کرتی شٹل کاک برقعے میں لپٹی کسی ادنیٰ

عورت کا نہ تھا، ڈیسٹنی کا تھا — تاریخ کے کراس روڈ پر فیصلوں کا تھا.. بھٹو نے اُس عورت کو قدرے دُرشتگی سے پرے کیا اور کار میں بیٹھ گیا... وہ بے حد گہری سوچ میں تھا اور مردان کو یقین تھا کہ وہ وہاں موجود کسی بھی شخص کی موجودگی سے آگاہ نہیں.. اُسکے ذہن میں کچھ اور تھا...

بھٹو کی کار ہوٹل کی راہداری سے نکل کر مال روڈ پر آئی تو مشاہد کی کار عین اُس کے پیچھے تھی- کسی کو کیا پتہ کہ وہ کون ہیں لیکن وہ تاریخ کا پیچھا کرنا چاہتے تھے- وہ کار جانے کہاں کہاں سے گذر رہی تھی- مشاہد کی کار کے پیچھے درجنوں کاریں چلی آ رہی تھیں... راستے میں کہیں کہیں لوگ کھڑے ہوئے تھے- بھٹو کو دیکھ وہ نعرے بلند کرنے لگتے اور وہ مشاہد اور مردان کو بھی لیڈران سمجھ کر ہاتھ ہلاتے اور مردان اِس ایک لمحے کی سلطانی کو انجائے کرتا اور نہایت مُحبّت اور متانت سے جواب میں ہاتھ ہلاتا... اس سفر کی ایک تصویر ایسی تھی جو اُس کے ذہن پر نقش ہو چکی تھی- مینارِ پاکستان قریب آ رہا تھا اور کاروں کے اس کاروان کو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے بار بار رُکنا پڑ رہا تھا- ایک مقام پر کار رکی، بالکل سامنے ایک ملنگ چیتھڑوں میں ملبوس، ایک بڑے مُگدر نما ڈنڈے سے بھنگ گھوٹ رہا تھا- اُس نے اُدھر مینارِ پاکستان کی جانب رواں ہجوم کو ایک نظر دیکھا- اُس ایک نظر میں وہ کار آئی اور پھر اُس میں سوار وہ پرکشش شخص نظر آیا جو سب کا چہیتا تھا- ملنگ نے اُس کے چہرے کو جانا اور بھرپوری طرح پہچانا ارپھر یکدم کھڑا ہو کر بے اختیار ہو کر والہانہ طور پر ناچنے لگا اور نعرے لگانے لگا — آوے ای آوے.. ساڈھا بھٹو، آوے ای آوے.. ساڈھا بھٹو... اور بھٹو نے ہاتھ ہلا کر اُسے ایک خاص مسکراہٹ سے نوازا... یہ واحد مسکراہٹ تھی جو اُس روز اُس کے لبوں پر آئی... ٹریفک رواں ہوئی اور اب اُن کے سامنے جلسہ گاہ کے اندر جانے والا راستہ تھا جسے ورکرز لوگوں کے ہجوم کے آگے دیوار بن کر بنا رہے تھے اور بھٹو کی کار اُس میں سے گذرتی جا رہی تھی-

مشاہد ذرا نروس تھا، مردان یہ ہم کہاں جا رہے ہیں..

جہاں بھٹو وہاں ہم — مردان پر لاکھوں کے ہجوم اور اُن کے پُرجوش نعروں کے کرنٹ کا اثر ہو رہا تھا — چلے چلیں بھائی جان-

بھٹو کی کار ایک بہت بڑے چبوترے کے نیچے جا کر رُک گئی- مینارِ پاکستان کے بن سائے میں... اُسے ورکرز کے ایک ہجوم نے گھیر لیا اور وہ چبوترے کی سیڑھیوں پر

چڑھنے لگا۔ جلدی کریں بھائی جان جلدی کریں — مردان چیخنے لگا — ہم بھی ڈائس سکتے ہیں بھٹو کے پیچھے پیچھے...

نہیں — مشاہد وہیں کھڑا ہو گیا — میں ورکرز کے ہاتھوں اپنی درگت نہیں چاہتا.. اور تم بھی یہیں کھڑے رہو...

اُنہوں نے اوپر دیکھا... اُن کے عین اوپر درجنوں مائکس تھے.. اور پھر بھرتی تقریروں کے بعد بھٹو اُن مائکس کے اوپر آ کھڑا ہوا۔ ہاتھ کولہوں پر اور وہ ابھی تک کچ رہا تھا۔ ہجوم اُسے دیکھ کر بے قابو ہو رہا تھا... اُس کی جڑیں اِس ہجوم میں تھیں.. پھر نے تقریر شروع کی... اُس نے بہت کچھ کہا اور جب ڈائس کے سامنے بیٹھے ہوئے لو جوش میں آ کر کھڑے ہو جاتے اور نعرے لگانے لگتے تو وہ غصّے میں آ کر اُن سے 'بے وقوف بیٹھ جاؤ' — اور بے وقوف فوراً بیٹھ جاتے۔ مردان کو کچھ سمجھ نہیں آ کہ بھٹو کیا کہہ رہا ہے کیونکہ سینکڑوں لاؤڈ سپیکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے نصب اور آوازیں ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر ہجوم کے شور میں مل کر لفظوں کی پہچا ناممکن بنا رہی تھیں... اُسے یہ اندازہ تھا کہ بھٹو ڈھاکہ میں بلائے جانے والے قومی ا کے اجلاس کے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے.. اور پھر اُسے کچھ اندازہ ہوا کہ وہ اس اجلا ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے.. اور شاید یہ بھی کہ اگر کوئی ایم این اے اس اجلاس شامل ہوا تو اُس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی... ہمیں گارنٹیز چاہئیں... اور پبلک تائید کر تھی کہ مجیب الرحمن کی رعونت اور علیحدگی پسندی کا یہی جواب تھا — گارنٹیز کے مغربی پاکستان کے نمائندے کیوں ڈھاکہ چلے جائیں... اُس کی آستینوں کے بٹن کھلے اور تاریخ اُس کے لفظوں کی منتظر تھی... اُس نے مینار پاکستان کے سائے میں سمند لہروں کی طرح پرجوش ہجوم کی جانب دایاں ہاتھ اُٹھا کر ایک رُندھی ہوئی لیکن صاف او آواز میں کہا — ورنہ... اور پھر دوسرے ہاتھ کی اُنگلی سے اُدھر اشارہ کیا جدھر شاہی تھا اور اُس کے پار کہیں ہندوستان کی وسعت تھی اور اُس سے پرے مشرقی پاکستان تھا۔

فاصلوں کی کمند سے آزاد —

چلیں بھائی جان —

مشاہد نے جیپ سٹارٹ کر دی۔

تاریخ کا کراس روڈ پیچھے رہ گیا۔

برگیتا بند آنکھوں سے اپنے پپوٹوں کے روشن ماس کو دیکھتی تھی اور اُس ماس میں طرح طرح کے رنگ ابھرتے تھے۔ اُس نے چہرہ اُونچا کر کے پپوٹوں کو سورج کے سامنے کیا اور اُسکی بند آنکھیں چندھیا گئیں... آج کرسمس ہے... اور یوٹے بورگ میں کونسا ایسا گھر تھا... دریا پر جھکے ہوئے گھر اور کھیتوں کے سبزے میں گھرے ہوئے گھر... جس کی خواہش برگیتا نہیں ہوتی تھی۔ وہ لوگ بابا راڈنی کی منتیں کرتے، ان کے لیے چاکلیٹ کیک لے کر آتے — کرسمس کے روز برگیتا کو ہمارے گھر میں بھیج دیجئے... ہمارے سب مہمان اُسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ کرسمس کے دن اُسے دیکھنا اچھا اومن ہو گا ہم اُسے ایک شہزادی کی طرح رکھیں گے — لیکن بابا راڈنی کبھی نہیں مانتے تھے — کرسمس کے دن تو ہرگز نہیں — اور وہ اپنے بے سُرے اور چرخ چُوں چرخ چُوں بولتے پھٹیچر ہارمونیم پر اسے 'کیسا بابرکت دن ہے' اور 'ساڈھا یسوع مسیح اَج آیا سی' گاگا کر سناتے اور وہ صرف اُن کا دل رکھنے کے لیے یہ دیسی کرسمس گیت سنتی رہتی.. وہ سویڈش تھی اور اُسے اردو اور پنجابی کا بہت کم محاورہ تھا...

مشاہد نے جیپ کے تیز ہارن کو متعدد بار بجایا تو اُس نے آنکھیں کھول دی۔ وہ راوی کے پُل پر پہنچ چکے تھے۔ نیچے ریت کا ایک وسیع علاقہ تھا جس میں مختلف حصوں میں بٹا ہوا راوی بہتا تھا... اُس کا مرکزی بہاؤ کسی عام نہر کی چوڑائی جتنا تھا اور اُس میں بھی روانی بہت غور سے دیکھنے پر رواں ہوتی تھی اور وہ ریت کے ٹاپوؤں میں سے سہم کر نکلتا جاتا تھا۔

چار چیزیں ہیں — اور کامران کی بارہ دری سے لگ کر بہتا ہوا دریائے راوی ہے۔

مشاہد نے بارہ دری کی طرف دیکھا لیکن ناراضگی سے دیکھا... آثار قدیمہ کے وکروں نے اپنے تئیں بارہ دری کے کھنڈروں کی عظمت رفتہ بحال کر دی تھی اور ایسی حال کی تھی کہ وہ اب کسی صنعتی نمائش میں ایستادہ بجلی کے پنکھوں یا چینی کے برتنوں کا منگتا سٹال دکھائی دیتی تھی.. نویں نکور... پرانے برتن دے کر نئے برتن لینے والے جوکر ی تک ہمارے آس پاس تھے...

"جلدی سے بابا نذیر دی آرٹسٹ کو تلاش کرو —" مشاہد نے جیپ کی رفتار

سُست کر دی۔

"کر لیا —" مردان نے انگلی کھڑی کر دی۔ "ریت میں دھنسی اُس بڑی کشتی کے پاس... ایزل کو گھورتے ہوئے ڈھیلے سپورٹس ہیٹ اور کُرتے شلوار میں وہی تو ہے جسے ہ بابا نذیر کہتے ہیں۔ بھائی جان آپ مجھے یہاں اُتار دیجئے —"

برگیتا نے کچھ ڈانٹ کے انداز میں کہا، "ہمارے ساتھ نہیں چلو گے..."

مشاہد نے جیپ روک لی، "ہم تمہیں واپسی پر پک کر لیں گے۔"

"میں خود ہی پہنچ جاؤں گا، بھائی جان —" وہ جیپ سے کُود کر اُتر گیا۔

"بابا نذیر کے پاس گیا ہے؟"

"ہاں —" مشاہد نے جیپ سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

پل کے دونوں سروں پر متعدد اینٹی ایئر کرافٹ گنیں اپنی لمبی گردنیں اُٹھا بیوقوف کچھوؤں کی مانند لگ رہی تھیں جنہیں یہ علم نہیں تھا کہ آخر ہم خالی آسمان کو کیو دیکھے چلے جا رہے ہیں۔

"پھر جنگ کا خطرہ ہے —؟"

"کب جنگ کا خطرہ نہیں ہوتا... جوکرز آل آف دیم۔"

راوی کے پار ہوتے ہی جیسے لاہور اُن سے کٹ گیا۔ جانیں دِھیئے راوی، نہ آوی تے نہ کوئی جاوی۔

شاہدرہ موڑ سے ذرا پہلے مشاہد نے جیپ روک دی — "ہم اب بھی کاموفلا سکتے ہیں برگیتا — کوئی حرج نہیں۔"

"نہیں مشیل —" برگیتا اپنے سر کو ہلاتی گئی جیسے ذرا رُکی تو اثبات کا پہلو آئے گا "نہیں — میرا وہاں کوئی نہیں — ہم وہیں چلیں گے جہاں ہر کرسمس کو ج ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی —" جیپ شاہدرہ موڑ سے بائیں ہاتھ مڑ گئی۔

شرق پور جانے والی سڑک میں اب بھی پرانے زمانوں کی سستی اور ٹھہراؤ تھا کے آس پاس جو سرسوں کے کھیت اور امرودوں کے باغ تھے اُن میں ایک خاص د تھی جو اُسے دوسری سڑکوں سے الگ کرتی تھی۔ یہاں پہنچ کر ہمیشہ شائبہ ہوتا کہ شاید بند ہو گئے ہیں کیونکہ آوازیں رُک جاتیں اور صرف جیپ کے انجن کا شور سنائی دیتا۔

نے کشمیری شال کو اپنے سے الگ کیا اور اُسے بغیر تہہ کیے پچھلی نشستوں پر پھینک دیا "یہاں لوگ کُھلی فضا سے بہت جھجکتے ہیں حالانکہ یہی قدرتی ماحول ہے، انسان کا بدن ہوا اور دھوپ کو براہ راست محسوس کرنا چاہتا ہے..."

"ہمارے ہاں کی کُھلی فضا ایسی نہیں کہ یہاں سٹاک ہوم کے مڈ سمر نائٹ کے جشن کے انداز میں یونہی بے دریغ گھوما جائے... یہاں بہت کچھ ہے جو ہمیں روکتا ہے۔ ہماری زمین کے اندر اور اوپر بہت کچھ ہے جو رینگتا ہے اور سرسراتا ہے۔ موسم میں شدت بھی ہے لیکن کُھلی فضا میں خوف بہت ہے۔ اس میں ڈر ہے.. ڈر ہے کہ کوئی آ جائے گا، کوئی دیکھ لے گا —"

"اس کُھلی فضا میں اور اتنی زبردست آسودہ دھوپ میں سرسوں کے کھیتوں میں.. مشیل ذرا ذہن میں لاؤ کہ گھاس اور پودوں کی ٹھنڈک اور سبزہ جب تمہارے ننگے بدن کے نیچے بچھتے ہیں تو... یہ زبردست ہو گا —"

"ہاں —" مشاہد نے اُس کی خواہش کی تہہ کے مفہوم کو جانا اور مسکرایا۔ "اور یہ بھی زبردست ہو گا کہ ٹڈیاں اور مکوڑے وغیرہ میری پیٹھ پر چل رہے ہوں اور میں اُن کو بار بار جھٹکنے کی کوشش کر رہا ہوں —"

شرق پور کی ہریالی اُن کی جیپ پر جھکی رہی اور پھر وہ دھوکہ منڈی کے راستے پر آ گئے۔ تقریباً تیرہ چودہ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مشاہد نے جیپ کو نچلے گیئر میں ڈالا ور بائیں جانب موڑ دیا۔ بلوچاں کا گاؤں یہاں سے پانچ کلومیٹر تھا۔ دن ڈھل رہا تھا اور وہ س سمت میں سفر کر رہے تھے اُدھر سے جو ہوا آتی تھی اُس میں خنکی بڑھتی جاتی تھی۔ وچاں کے آگے ایک پرانا برگد جیسے آدھے آسمان کو ڈھک کر پھر نیچے آتا تھا... اس کے مائے میں سے گذرتے اُنہیں دسمبر کی دھوپ کے دھوکے کا احساس ہوا جو یکدم ساتھ موڑتی تھی اور اُس کی جگہ سرد ہوا آتی تھی۔ برگد کے آگے ایک کھلا اور سپاٹ میدان ا — اور اس میدان سے پرے راوی پیلی دھوپ میں اپنے آپ پر نظریں ٹھہرنے نہ یتا تھا...

دوسرے کنارے پر شیر شاہ سوری کے زمانے کا گاؤں سنگا اور اس کی پرانی فصیل ردپانیوں میں سے اٹھتی دھندلاہٹ میں کہیں ظاہر ہوتے تھے اور کہیں گم ہوتے تھے..

چنے کا ایک کھیت بائیں ہاتھ پر آیا۔ جیپ رک گئی کیونکہ آگے صرف ریت تھی..